ساجد حمید

نیازی صاحب مرحوم و مغفور

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اگر کسی کو سوز و گداز سے مملو، نرم دم گفتگو، نرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم ہو نرم دل و نرم خو، آدمی کی کامل ترین مثال دیکھنی ہو تو وہ ہمارے دوست اصغر نیازی صاحب مرحوم تھے۔ ان کو نرم و گداز بنانے میں خدا نے شاید مبالغہ سے کام لیا تھا کہ ان کی آواز، شخصیت، چہرہ سب اجلی دھنکی ہوئی روئی سے تشکیل دے ڈالا تھا۔ مرض اور تکالیف سے گھری زندگی اور مسکراتا چہرہ اصغر نیازی کی پہچان تھی۔ کسمپرسی کی تصویر اور چہرہ نری تنویر، ہر وقت نہائے دھوئے، اجلے، نپے تلے، بے تکلفی میں بے ضرر، بذلہ سنجی میں بے مضر، سنجیدگی میں خوش گوار، تقوے میں خوش ذوق، بے ورثہ ادیب، اور سب سے بڑھ کر رضاے رفیق اعلیٰ کی طلب کے قتیل تھے۔ آج صبح ابعداز نمازِ فجر رفیق اعلیٰ کی جانب کوچ کر گئے۔

استاذ گرامی جناب جاوید احمد صاحب غامدی ان کا ذکر نیازی صاحب کے الفاظ سے کرتے تھے، اس وجہ سے ہمارے ہاں ان کا یہی نام چلتا تھا۔ اس مضمون کو بھی میں نے اسی نام سے عنوان دیا ہے۔ استاذ کے ساتھ ان کا تعلق نہایت عقیدت و محبت کا تھا۔ میں نے دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ خلوص و محبت میں بہت آگے پایا ہے۔ ہماری طرح نیازی صاحب بھی ان آہوانِ صحرا کی طرح تھے جو استاذ کی دلکشا صدا پر —— سر خود نہادہ بر کف —— کھچے چلے آئے تھے۔

۱۷؍ جنوری ۲۰۱۹ء بروز جمعرات۔

میں بچپن سے انھیں جانتا ہوں۔ استاذ گرامی نے سلطان پورہ کے زمانۂ قیام (غالباً ۱۹۷۹ء- ۱۹۸۴ء کے دوران) میں بھی اپنے تلامذہ کے لیے ایک قیام گاہ بنا رکھی تھی، جس میں ابو شعیب صفدر مرحوم وغیرہ کے ساتھ نیازی صاحب بھی کچھ عرصہ مقیم رہے۔ ہمارا گھر بھی قریب تھا، اس لیے بعض ضروریات کے بہم پہنچانے کے لیے ہم بچوں کی خدمات لی جاتی تھیں۔ میری نانی، ممانی اور والدہ بعض اوقات کوئی چیز پکاتیں تو ان مقیموں کے لیے بھیجتیں۔ کبھی ترسیل اشیا کی یہ ذمہ داری میرے سر آتی تھی، اس لیے آنا جانا رہتا تھا۔ استاذ گرامی کے بعض لیکچرز کے انتظامات اور شرکاے مجلس کو پانی وغیرہ پلانے کے لیے بھی ہم بچوں میں سے کسی کو بلا لیا جاتا تھا۔ اس آمد و رفت میں نیازی صاحب سے شناسائی ہوئی، جو بعد میں دوستی اور استادی میں تبدیل ہوئی۔ طالب محسن صاحب سے ابتدائی نحو سیکھنے کے بعد ''قصص النبیین'' کے غالباً تمام اجزا کی قراءت میں نے نیازی صاحب کے سامنے کی۔ میں پڑھتا اور ترجمہ کرتا تو وہ میری اصلاح یا تائید کرتے جاتے تھے۔

ان کی استادی کا شرف ایک اور پہلو سے بھی حاصل ہوا، وہ یہ کہ میں استاذ گرامی کی زمینوں میں نظمیں کہتا تھا۔ خاص طور سے انھوں نے ایک نئی زمین متعارف کرائی تھی، جس میں چار چار مصرعوں کے تین بند اور آخر پر دو مصرعوں کا اختتامیہ ہوتا تھا۔ استاذ کو میں اپنی جھجک اور ان کی مصروفیات کی وجہ سے چیک نہیں کراتا تھا، تو سائیکل پر نیازی صاحب کے پاس چلا جاتا تھا۔ یہ ان دنوں (غالباً ۱۹۸۷ء-۱۹۸۹ء) کی بات ہے کہ جب وہ مسلم ٹاؤن میں واقع اقبال اکیڈمی میں کام کرتے تھے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ایک ہی میز پر ان کے انچارج احمد جاوید صاحب اور وہ خود آمنے سامنے تشریف فرما ہوتے تھے۔ میں نیازی صاحب کے برابر میں رکھی ایک خالی کرسی جو شاید ملاقاتیوں کے لیے ہی ہوتی تھی، پر جا کر بیٹھ جاتا، اور چپکے سے ماحول کو خراب کیے بغیر نیازی صاحب کو اپنی شاعری دکھاتا، وہ اصلاحات تجویز کرتے، یا محض شاباش دے کر رخصت کر دیتے۔ ان کی اصلاحات ادیبانہ ہوتی تھیں، اسی لیے میں نے انھیں بے ورثہ ادیب کہا ہے کہ انھوں نے کوئی تخلیقی کام نہیں چھوڑا، مگر تھے وہ ادیب۔

اسی کرسی پر بیٹھ کر میں انھیں تصوف سے برگشتہ کرنے کی ناکام کوشش کرتا۔ اسی بحث مباحثے میں بعد میں احمد جاوید صاحب بھی شریک ہوئے تو ان سے میرا علمی و فکری تعارف اسی بحث سے ہوا تھا۔ ناکام کوشش میں نے اس لیے کہا ہے کہ نیازی صاحب میرے تمام دلائل کو —— خاطر سے یا لحاظ سے —— رد نہ کر پائے، مگر بیعت بھی نہیں توڑی۔ مجھے ایک سال کی کوشش کے بعد محسوس ہوا کہ یہ ان کی طبیعت کا ناگزیر اقتضا ہے، وہ مرید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ غالب طبیعت کے ان اقتضاءات سے واقف تھا۔ کہتا ہے:

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ان کے متصوفانہ اشتغالات کا تو مجھے علم نہیں، مگر وہ تصوف سے پہلے اور تصوف کے بعد بھی باصفا و باوفا تھے۔ اس نحیف و نزار وجود میں اگر کوئی طاقت ور چیز تھی تو یہی باصفا ہونا تھی، جسے کوئی چیز دبا نہ سکی۔ ان کے صفاے باطن کو نہ زمانہ گدلا کر سکا اور نہ تصوف۔ ان کے تصوف میں مریدی کا رنگ اسی نرم خوئی کے سبب تھا، جس کا بیان اوپر گزرا ہے۔ خدا طلبی سے مملو طبیعت نے انھیں تاحیات راہِ تصوف پر کاربند رکھا۔ موت ہی نے شاید اس سالک کو قیدِ سلوک سے آزادی دلائی ہے، ورنہ حالت وہی تھی کہ:

ہیں گرفتارِ وفا، زندان سے گھبراویں گے کیا!

نیازی صاحب کی بڑی آنت کا کچھ حصہ نوعمری ہی میں آپریشن سے نکال دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ عام غذا بالعموم نہیں لے سکتے تھے۔ میں نے انھیں بارہا دیکھا کہ جب لوگ مزے مزے کے کھانے کھا رہے ہوتے تھے، وہ بسکٹ اور دہی پر گزارا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اتنے نحیف تھے کہ انھوں نے مجھے بتایا کہ میرا ایک دوست کہا کرتا تھا کہ نیازی کو کمرے میں بند کرنا ناممکن ہے، کیونکہ یہ دروازے کی چیت (درز) میں سے نکل آئے گا۔ یہ بات گو مبالغہ آمیز ہے، لیکن صحیح ہے۔ اگر آپ ان کا بازو پکڑیں تو ہڈی کے سوا کچھ معلوم نہیں پڑے گا، اور اگر بغل گیر ہوں تو آپ کو ایتھوپیا کے بچوں جیسا درمیان سے ابھرے سینے کی ہڈیوں کا پنجر اپنے سینے پر چبھتا ہوا محسوس ہوگا۔ ایسا لگتا تھا گویا آپ کسی لکڑی کے وجود سے چپک لیے ہوں۔

نیازی صاحب کے لیے صبر عادتِ ثانیہ تھی۔ ایک شادی میں ہم کھانا کھا رہے تھے اور وہ دہی کی پیالی سے سعیِ شکم سیری فرما رہے تھے۔ لیکن ان کے چہرے پر نہایت گہری اطمنیان سے بھری مسکراہٹ تھی۔ یہ واقعہ مجھے صرف ان کی مسکراہٹ کی وجہ سے یاد ہے۔ وہ پورے صبر کے ساتھ صبر کرتے تھے۔ میں نے انھیں کبھی دکھی نہیں دیکھا، کراہتے نہیں پایا، شکوہ کرتے نہیں سنا۔ البتہ اکیلے میں بیٹھے ہوئے وہ پنجابی کا ایک سہ مصرع گنگنانے کے انداز میں پڑھتے رہتے تھے۔ یہ ان کے دکھوں کا شاید اظہار ہو:

نی نندے، آکھیں نی اپنے وِیر نُوں
کدی تے بھیڑا ، تکیا کرے
کدی تے بھیڑا ، ہسیا کرے[۲]

۲۔ اے میری نند، اپنے بھائی سے ذرا کہنا کہ اے ستم گر، کبھی تو میری طرف دیکھا کرو، کبھی تو ہنسا مسکرایا کرو۔ (بھیڑا میانوالی کا تلفظ ہے لاہور میں اسے بَیڑا (بُرا) کہتے ہیں)۔ مجھے کبھی یہ لگتا کہ اسے متصوفانہ معنی میں بولتے تھے، یعنی مرشد

۱۷۹ابو بکر بلاک میں جب وہ ''المورد'' سے باقاعدہ متعلق تھے، تو میں استاذ کے ساتھ کبھی کبھی ''المورد'' آجاتا تھا۔ ''المورد'' کے لان میں نماز کے لیے یا کلاس کے وقفوں میں سب اکٹھے ہوتے تھے۔ ایک دن میں نے وقفے میں دیکھا کہ وہ خاص ہیئت میں لیٹے ہوئے تھے۔ یوں کہیے کہ اگر آپ دوزانوں بیٹھے بیٹھے، ٹانگیں سیدھی کیے بغیر کمر کے بل لیٹ جائیں۔ یوں کہ آپ کے پاؤں آپ کے نیچے رہیں، تو یوں وہ لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے: لگتا ہے ناں، میں آدھارہ گیا ہوں۔ میں ہنسنے لگا، کیونکہ اس محاورے کی حقیقی صورت میرے سامنے تھی۔ پھر وہ تادیر مجھے اس مشق کے فوائد بتاتے رہے۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ اس ٹوٹے جسم کا درد کچھ دیر تھم سا جاتا ہے۔

نیازی صاحب سے تعلقِ خاطر اس قدر گہرا تھا کہ بعض موقعوں پر وہ مجھ سے ذاتی امور میں بھی فیصلہ کرنے کے لیے مشورہ کرتے۔ ان میں سے ایک بات قابل بیان ہے، مثلاً بیٹے کو حفظ کرانا چاہتے تھے۔ بعض احباب نے روکا، تو میرے پاس چلے آئے، کہنے لگے: دل چاہ رہا ہے کہ بیٹا حافظ بنے، لیکن بعض احباب کہہ رہے ہیں کہ آپ کو بچے پر جبر کرنے کا حق نہیں ہے، اور یہ کہ وہ اجر و ثواب والی روایات ضعیف ہیں یا فضائل اعمال سے متعلق ہیں، اس لیے ان پر محدثین نے جرح و تعدیل کا کام نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا: روایتیں جیسی بھی ہوں، قرآن کی حفاظت کا کام اللہ نے ان حفاظ کے کندھوں پر رکھا ہے۔ اس نیت سے حفظ کرائیں اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے گا۔ باقی رہا جبر تو اسکول بھیجنا بھی تو جبر ہے۔ وہ خوش تھے۔

میں تلمذ کے علاوہ بھی ایک پہلو سے نیازی صاحب کا ممنون احسان ہوں۔ والد صاحب کی وفات کے بعد گھر میں نان نفقہ کی فراہمی کسی قدر مشکل ہو گئی تھی، نیازی صاحب مجھے اقبال اکیڈمی کے پروف ریڈنگ کے انچارج کے پاس لے گئے۔ انھوں نے مجھے پروف ریڈنگ کا کام دے دیا، جس سے میں تقریباً چھ سو روپے مہینا تک کما لیتا تھا۔ یہ رقم گھر کی باقی آمدن میں کچھ کشایش پیدا کر دیتی تھی۔ خدا کرے، نیازی صاحب کو آگے کھلا رزق ملے۔ میں اس زمانے میں ''المورد'' کا پارٹ ٹائم اکاؤنٹنٹ بھی تھا۔ کالج سے آنے کے بعد حسابات لکھ دیتا تھا۔

ان کی خدا طلبی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، نہایت متقی انسان تھے۔ ''المورد'' کے احباب ایک زمانے میں باری باری

کی نظرِ التفات کے لیے۔

باہم ناشتہ کرتے کراتے تھے۔ ایک دن کسی کے ہاں ناشتے کی باری تھی، ہم چار لوگ ایک گاڑی میں اکٹھے تھے راستے میں اصغر نیازی صاحب کو بھی لینا تھا۔ جب ہماری گاڑی ان کے دروازے پر رکی تو کم عمر ہونے کی وجہ سے ان کو بلانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی، لہٰذا میں گاڑی سے اترا، ان کی بیل دی، تھوڑی دیر بعد ان کی اہلیہ کی آواز آئی۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ وہ فجر کے بعد مسجد سے ابھی واپس ہی نہیں آئے۔ ہم سب مسجد چل دیے، میں جب اندر گیا تو نیازی صاحب اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے۔ حالتِ قیام میں تھے۔ وہ کھڑے رہے، میں بھی ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا کہ فارغ ہوں تو ساتھ لے چلوں، لیکن ان کا قیام ختم نہیں ہوا، پھر میں بیٹھ گیا، وہ قیام میں کھڑے رہے۔ باہر بیٹھے ساتھیوں میں سے کوئی اندر آیا: ہمیں دیکھا اور واپس چلا گیا۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک گیا۔ نیازی صاحب نے میرے آنے کے بعد غالباً بیس پچیس منٹ کا قیام کیا، یہ بھی شاید اس لیے مختصر ہو گیا تھا کہ باہر سے کسی ساتھی نے آواز دی کہ نیازی صاحب کو لائے نہیں؟ تو میں نے کہا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سن کر نیازی صاحب رکوع میں گئے۔ اس کا مشاہدہ میں نے ایک دفعہ اظہار صاحب کو بھی کرایا جب نیازی صاحب ایک دن ''المورد'' آئے ہوئے تھے اور عصر یا ظہر کی نماز انھوں نے ادھر ہی ادا کی تھی۔ اوپر میں نے بتایا ہے کہ کس قدر بیمار اور کتنے کم زور تھے، مگر خدا کے حضور میں اس قیام کے لیے ان کی قوت و ہمت دیدنی تھی۔

خدا طلبی کی یہ سمجھ ان کو اس قدر تھی کہ ان کی ساری زندگی اسی جدوجہد کا مرقع تھی۔ آخرت کے لیے جینا وہ سمجھ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو قرآن نے علمانہ لقب دیا ہے، اس لیے کہ یہی زندگی کا اصل راز ہے، مگر اس راز کا ایسا واقف کوئی اور ہو گا، شاید یہ کہنا پڑے گا کہ د گر دانائے راز آید کہ نہ آید! مگر اس دانائے راز کو اصغر کہتے تھے: محمد اصغر نیازی۔

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"